

فقہ جعفری میں اجتہاد کا آغاز اور ارتقاء

Begning & Evolution of *Ijtihad* in *Ja'fari Fiqh*

Muhammad Raza Dawoodani

Prof. Dr. Zahid Ali Zahidi

Abstract

This article discusses the evolutionary stages of *Ijtihad* (ultimate effort) in *Ja'fari* school of jurisprudence. According to the author, the term "*Ijtihad*" in its first stage, was considered as a synonym of "*Qiyas*" (analogic reasoning), which was rejected by *Ahl al-Bayt* and *Shia Ulama*. Later on, *Muhaqqiq Hilli*, while rejecting *Qiyas*, accepted *Ijtihad* as where more deliberation and effort were required to understand the *Nas* (explicit proof). In the later stage, it was accepted that the deduction of rulings from explicit proof also required the acceptance of some rules. It was in this way that it was also called *ijtihad*. In the final stage, the debate on the authority and application of principles to infer the apparent command in the absence of explicit proof and non-access to the actual command also became known as *Ijtihad*.

Key Words: *Ijtihad*, *Nas*, Command, Jurisprudence, Deduction.

خلاصہ

اس مقالہ میں فقہ جعفری میں اجتہاد کے ارتقائی مراحل پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ مقالہ نگار کے مطابق لفظ اجتہاد نے طویل ارتقائی سفر طے کیا۔ پہلے مرحلے میں اسے قیاس کا ہم معنی سمجھا جاتا رہا جس پر اہلبیت نے تنقید بھی کی اور بہت سی کتابیں شیعہ علماء نے اس کی رد میں لکھیں۔ بعد ازاں محقق حلی نے قیاس کو باطل قرار دیتے ہوئے جہاں نص کسی ایک معنی میں ظہور نہ رکھتی ہو تو وہاں نص کو سمجھنے کے لئے غور و فکر کو قابل قبول اجتہاد سے تعبیر کیا۔ اگلے مرحلے میں مانا گیا کہ ظاہر نص سے بھی حکم کا سمجھنا کچھ قواعد کے قبول کرنے پر موقوف ہے لہذا اسے بھی اجتہاد کہا جانے لگا۔ آخری مرحلے میں نص کے مفقود ہونے اور حکم واقعی تک راستہ نہ ملنے کی صورت میں حکم ظاہری تک پہنچنے کے لئے اصولوں کی حجیت پر بحث اور تطبیق کو بھی اجتہاد کہا گیا۔

کلیدی کلمات: اجتہاد، قیاس، نص، حکم، فقہ، استنباط۔

تعارف

علم فقہ کی اہمیت مسلمانوں کے ہر فرقے میں مسلم رہی ہے۔ یہ دستور حیات ہے جس کے مطابق مسلمان اپنی روزمرہ زندگی گزارتا ہے۔ فقہ کا لغوی معنی "فہم" یعنی سمجھنا ہے۔ اس کی اصطلاحی تعریف میں شہید اول کہتے ہیں: "الفقه هو العلم بالاحكام الشرعية العامة عن ادلتها التفصيلية"¹ یعنی: "فقہ فروعی احکام شریعت کو ان کے مصادر سے سمجھنے کا نام ہے۔" یہ فقہ کی مشہور تعریف ہے جس میں درج ذیل نکات قابل توجہ ہیں:

۱۔ الاحکام الشرعیہ: یعنی خدا کی طرف سے معین کردہ قوانین؛ جس سے غیر خدا کی طرف سے وضع کیے گئے قوانین خارج ہو جاتے ہیں۔

۲۔ الفرعیہ: اس سے شرعی اعتقادات کو خارج کیا گیا۔ مثلاً ایمان باللہ۔

۳۔ ادلتها التفصیلیہ: اس قید کے ذریعے ایک مقلد خارج ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مقلد فروعی احکام کا علم خود دلائل سے اخذ نہیں کرتا بلکہ مجتہد کی تحقیق پر اعتماد کرتا ہے۔ یہاں تفصیلی ادلہ کی قید کے ذریعے یہ لازم ٹھہرایا گیا ہے کہ یہ علم قرآن و سنت سے رجوع کر کے حاصل کیا گیا ہو۔

آیت اللہ شہید صدر نے فقہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: "علم فقہ احکام شریعت کے "استنباط" کا نام ہے۔"² استنباط: استنباط کا مادہ "نبط" ہے۔ جس کا معنی ہے، چھپی ہوئی چیز کا ظہور۔³ زمین کی گہرائی سے پانی کے نکالنے کو "نبط" کہتے ہیں۔ اسی طرح احکام شرعی کے معتبر منابع یا مصادر سے استخراج کو استنباط کہا جاتا ہے۔ پہلی تعریف کے ذیل میں بیان ہوا کہ احکام شریعت سے خدا کی طرف سے مقرر کردہ قوانین مراد ہیں؛ فقہ انہی احکام کے فہم کا نام ہے جس کو حاصل کرنے کے لئے منابع یا مصادر شریعت کو کھنگالا گیا ہو۔

اجتہاد: اس کا مادہ "جہد" ہے۔ لغت میں، تلاش اور کوشش کرنا۔⁴ اصطلاحاً اس سے مراد احکام شریعت کو اس کے منابع سے جاننے کی تلاش ہے۔ بقول میرزاقمی: "اجتہاد فروعی احکام شریعت کو اس کے مصادر سے حاصل کرنے کے لئے پوری توانائی صرف کرنے کا نام ہے۔"⁵ بنا بریں، معتبر منابع یا مصادر سے احکام شرعی کو حاصل کرنے کی حتی المقدور کوشش کا نام اجتہاد ہے جسے استنباط کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

فقہ جعفری: فقہ جعفری سے مراد وہ فقہ جو امام جعفر صادق عليه السلام سے منسوب ہے۔ اس سے مراد احکام شریعت کا فہم حاصل کرنے کی وہ روش ہے جو امام جعفر صادق عليه السلام نے تعلیم فرمائی۔ البتہ یہ فقہ اہل بیت ہی

ہے جس سے رجوع کرنے کا حکم حدیث ثقلین میں دیا گیا ہے: **إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمْ الثَّقَلَيْنِ مَا إِن تَمَسَّكْتُمُ بِهِمَا لَنْ تَضَلُّوا كِتَابَ اللَّهِ وَعِثْتِي أَهْلَ بَيْتِي**“⁶ بلاشبہ اس کی تعلیم اور ترویج کا سب سے زیادہ موقع، امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام کو ملا لہذا یہ ”فقہ جعفری“ مشہور ہو گئی۔ جیسا کہ ائمہ اہلبیت کی روش کو سمجھنے کے لئے امام جعفر صادق علیہ السلام علیہ السلام سے منقول یہ قول قابل توجہ ہے: **إِنَّمَا عَلَيْنَا أَنْ نُلْقِيَ إِلَيْكُمْ الْأُصُولَ وَعَلَيْكُمْ أَنْ تُفْرَعُوا** یعنی: ”ہمارے ذمہ ہے کہ ہم تمہیں اصول سمجھائیں اور تمہارے ذمے ہے کہ اس سے فروعات نکالتے چلے جاؤ۔“ نیز امام علی رضا علیہ السلام سے بھی نقل ہوا ہے: **عَلَيْنَا إِنْقَاءُ الْأُصُولِ إِلَيْكُمْ وَعَلَيْكُمْ التَّفْرِيعُ**⁷ ان فرامین کی روشنی میں میرزاقمی نے اجتہاد کی مکمل تعریف اس طرح کی ہے: ”اجتہاد، فروعی احکام شریعت کو اس کے مصادر سے حاصل کرنے کے لئے اس شخص کا پوری توانائی صرف کرنے کا نام ہے جو ان مصادر اور متعلقہ امور کو پہچانتا ہو۔ نیز قوۃ القدسیہ رکھتا ہو تاکہ فرع کو اصل کی طرف پلٹا سکے۔“ اس تعریف میں ”قوۃ القدسیہ“ سے روحانی اور فکری توازن مراد ہے؛ یعنی کج سلیقہ نہ ہو۔⁸ ”رد الفراع الی الاصل“ سے وہ اصول مراد ہیں جن کی طرف پیش آنے والے مسائل (فروع) کو پلٹا کر تطبیق کی جائے گی۔

آیا اجتہاد ممدوح ہے یا مذموم؟

جیسا کہ مفردات کی شرح کے ضمن میں بیان ہوا، معتبر منابع یا مصادر سے احکام شرعی کو حاصل کرنے کی حتی المقدور کوشش کا نام اجتہاد ہے اور اس معنی میں اجتہاد، فقہ جعفریہ میں ایک پسندیدہ عمل شمار ہوتا ہے۔ تاہم بعض شیعہ علماء جو کہ خود صف اول کے مجتہدین میں شامل ہیں، انہوں نے اجتہاد کی مذمت کی ہے؟ بھلا یہ کیوں؟ دراصل، بعض معتبر علماء کی طرف سے اجتہاد کی مخالفت کی دو عمدہ وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ ”اجتہاد“ کے لفظ کا ایک نادرست فقہی روش کے معنوں میں استعمال ہے۔ دراصل، اسلامی فقہ میں بعض علماء امت کے ہاں اجتہاد کا لفظ بالعموم ”قیاس“ کے لئے استعمال ہوا کرتا تھا جسے اہل بیت نے اچھا نہیں سمجھا اور اس سے سختی سے روکا۔ نص کے مقابلے میں ایسے اجتہادات کی وجہ سے لفظ ”اجتہاد“ اور ”مجتہد“ ابتدا میں شیعہ علماء کے نزدیک ناپسندیدہ لفظ تھا اور وہ شرعی احکام کے ماہر کو فقیہ کہا کرتے تھے۔ اس سیاق و سباق میں ان احادیث کو سمجھا جاسکتا ہے جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ اہل بیت نے قیاس اور اس کے مترادف معنی میں اجتہاد کی مذمت فرمائی ہے۔ مثال کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے قیاس پر عمل کیا وہ خود بھی ہلاک ہوا اور دوسروں کو بھی ہلاکت میں ڈالا۔“⁹ اسی طرح امام علی علیہ السلام نے فرمایا: ”دین میں قیاس مت کرو..... عنقریب وہ تو میں آئیں گی جو قیاس سے کام لیں گی اور وہ

دین کی دشمن ہوں گی۔ سب سے پہلا قیاس کرنے والا ابلیس تھا۔¹⁰ اسی طرح امام جعفر صادق (علیہ السلام) فرماتے ہیں: ”جب سنت کو قیاس کیا جائے تو دین تباہ ہو جاتا ہے۔“¹¹ اہل سنت ائمہ اربعہ میں بھی سب قیاس کے قائل نہیں ہیں۔ مگر امام ابوحنیفہ اس کے بہت بڑے حامی رہے ہیں۔ امام شافعی ”الرسالہ“ میں فرماتے ہیں: ”فما القیاس؟ اھوال اجتہاد اھما مافتراق؟ قلت: ہما اسبان ببعنی واحد¹² یعنی: ”قیاس کیا ہے؟ اجتہاد اسی کو کہتے ہیں یا یہ دونوں مختلف ہیں؟ میں کہتا ہوں یہ دونوں نام ایک ہی مطلب کے لئے ہیں۔“ ابو حامد غزالی نے بھی ”المستصفیٰ“ میں اس نسبت کو بیان کیا ہے۔ لیکن آگے چل کر وہ اس نظریے پر تنقید کرتے ہوئے اجتہاد کو قیاس سے اعم قرار دیتے ہیں۔

اجتہاد کی مذمت کی دوسری عمدہ وجہ استنباط میں تصویب کا نظریہ ہے۔ دراصل، اجتہاد کے ضمن میں ایک بحث یہ ہے کہ مجتہد اپنے اجتہاد کے نتیجے میں جو فقہی حکم صادر کرتا ہے یا فتویٰ دیتا ہے آیا وہ حکم واقعی ہوتا ہے، حکم واقعی بن جاتا ہے یا حکم واقعی تک پہنچنے کے امکان کے ساتھ اس میں خطا کا امکان بھی پایا جاتا ہے؟ پہلی دو صورتوں میں اجتہاد کو ”تصویب“ اور مجتہد کو ”مصیب“ کہا جاتا ہے جبکہ تیسری صورت میں اجتہاد کو ”تخطئہ“ اور مجتہد کو ”مخطی“ کہا جاتا ہے۔ بالترتیب اشاعرہ نے پہلی، معتزلہ نے دوسری اور امامیہ نے تیسری صورت کو قبول کیا ہے۔¹³ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ خارجی موضوعات، مثلاً قبلہ کس سمت میں ہے؟ یہ مائع شراب ہے یا نہیں؟ ان جیسے مسائل میں اختلاف کی صورت میں قول حق ایک ہی ہوگا، ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتا؛ یعنی یہ ممکن نہیں ہے کہ بیک وقت قبلہ مشرق میں بھی ہو اور مغرب میں بھی۔ اسی طرح یہ مائع اگر شراب ہے تو لال شربت نہیں ہوگا اور لال شربت ہے تو شراب نہیں ہوگا۔ اگر لال شربت سمجھ کر کسی نے غلط فہمی میں شراب پی لی تو اسے گنہگار نہیں مانا جائے گا اور اس کے پاس خدا کے سامنے پیش کرنے کے لئے ایک عذر ہوگا کہ میں نے جان بوجھ کر شراب نہیں پی تھی۔

علمائے امامیہ اجتہاد کے ذریعے احکام شرعی کشف کرنے کے لئے مجتہد کی کوشش کو بھی اس سے زیادہ نہیں مانتے۔ حکم شرعی، لوح محفوظ پر ثبت ہے، مصادر شریعت کے ذریعے وہ اس تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے، جو اجتہاد ہے۔ کوشش میں کامیاب ہو گیا تو وہو المطلوب، خطا کی صورت میں میدان قیامت میں وہ اپنا عذر پیش کر سکتا ہے کہ اس نے جان بوجھ کر کوتاہی نہیں کی تھی اور ”استفراغ الوسع“ کا تقاضا بھی یہی ہے۔ اصطلاحاً سے ”تخطئہ“ کہا جاتا ہے۔ بعض علمائے اہل سنت نے تخطئہ کے نظریہ کو بھی قبول کیا ہے اور من جملہ دلیل کے طور پر اس حدیث کو پیش کیا ہے: اذا حکم الحاكم فاجتہد ثم اصاب فله اجران واذا حکم فاجتہد ثم اخطأ

فلہ اجر¹⁴ اس کے مقابلے میں تصویب کے قائلین میں اشاعرہ کے نزدیک حکم واقعی مقرر ہی نہیں ہے۔ بلکہ حکم خدا مجتہد کی رائے کے تابع ہے اور آراء مجتہدین میں تفاوت کی صورت میں حکم واقعی بھی ایک سے زیادہ ہوں گے۔¹⁵ جبکہ معتزلہ کے نزدیک حکم واقعی کا وجود تو ہے لیکن مجتہد کے خطا کرنے کی صورت میں اسے مجتہد کی رائے کے مطابق تبدیل کر دیا جائے گا۔ یہاں بھی نتیجہً، تفاوت آراء مجتہدین کی وجہ سے حکم واقعی ایک سے زیادہ ہو جائیں گے۔ امام شافعی کی طرف بھی اس قول کی نسبت دی گئی ہے۔¹⁶

خلاصہ یہ کہ اجتہاد کے تصویب اور مجتہد کے مصیب ہونے کا نظریہ بھی اس بات کا باعث بنا کہ علمائے امامیہ اور راویان حدیث اہل بیت نے ایسے اجتہاد کے خلاف کتابیں لکھیں۔ سید مرتضیٰ نے ”رسائل المرتضیٰ“ میں اہل اجتہاد و قیاس کی مذمت کرتے ہوئے لکھا: ”... انہا عبناہم بالاجتہاد والقیاس فی الشریعة، لانہ لادلیل علیہما۔۔۔“¹⁷ ”... ہم شریعت میں اجتہاد و قیاس کی وجہ سے ان کی مذمت کرتے ہیں کیونکہ ان کے ثبوت کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔۔۔“ بقول شہید صدر، سید مرتضیٰ نے ”الذریعة الی اصول الشریعة“ میں تحریر کیا ہے: ”یقیناً اجتہاد باطل ہے اور امامیہ کے نزدیک ظن، رائے اور اجتہاد پر عمل جائز نہیں ہے۔“¹⁸

”... الملبسوط“ میں ایک مسئلے کی علت بیان کرتے ہوئے شیخ طوسی فرماتے ہیں: ”... ولان الاجتہاد عندنا باطل...“¹⁹ ”... کیونکہ اجتہاد ہمارے نزدیک باطل ہے۔۔۔“ شہید صدر کے نقل کے مطابق شیخ طوسی نے العدة میں یہ لکھا ہے: ”قیاس اور اجتہاد ہمارے نزدیک دلیل شرعی شمار نہیں ہوتے بلکہ شریعت میں ان کا استعمال ممنوع ہے۔“²⁰ ”... چھٹی صدی کے اختتام پر ابن ادریس نے ”السرائر“ میں لکھا: ”قیاس، استحسان اور اجتہاد ہمارے نزدیک باطل ہے۔“²¹ پس ساتویں صدی تک لفظ ”اجتہاد“ کا یہ منفی تاثر اسی طرح باقی رہا۔

لفظ ”اجتہاد“ کے معنی میں تبدیلی

ساتویں صدی میں اجتہاد کے معنی میں تبدیلی آئی اور اسے ایک جدید اصطلاح کے طور پر لیا گیا۔ اس تبدیلی کو محقق حلی متوفی ۶۷۶ھ کی ”کتاب معارج الاصول“ کے نویں باب کے آغاز میں ”حقیقۃ الاجتہاد“ کے ماتحت دیکھا جا سکتا ہے۔ شہید صدر کے بقول: ”فقہاء کے نزدیک اجتہاد سے مراد احکام شرعی کے استخراج کے لئے توانائی صرف کرنا ہے۔ اس اعتبار سے اجتہاد مصادر شریعت سے استخراج احکام کو کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ غالباً نظری قواعد و دلائل پر استوار ہیں (بدیہی نہیں ہیں)، ظاہر آیت یا روایت سے آسانی سے ان احکام کو حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اب یہ دلیل قیاس ہو یا کوئی اور۔ اس بنا پر قیاس اجتہاد کی ایک قسم قرار پائے گا۔ اگر کہا جائے کہ اس طرح تو امامیہ بھی اہل اجتہاد

قرار پائیں گے تو ہم کہیں گے کہ بات ایسی ہی ہے۔ ہاں! قیاس کے اجتہاد میں شامل ہونے کی وجہ سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ہم اہل قیاس بھی ہیں۔ جب قیاس کو مستثنیٰ کر دیا جائے تو بلاشبہ ہم بھی اہل اجتہاد ہیں۔“

شہید صدر اس کے بعد یہ تبصرہ کرتے ہیں: ”اس سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ کلمہ اجتہاد ایک عرصے سے علمائے امامیہ کے نزدیک معنی اول میں منحصر تھا۔ محقق کی عبارت واضح طور پر بتاتی ہے کہ اس وقت تک علمائے امامیہ ”اہل اجتہاد“ کی صف میں شامل ہونے کے لئے تیار نہ تھے اور فقہائے امامیہ پر مجتہد کے عنوان کی تطبیق کرنا آسان نہ تھا۔ مگر محقق حلی نے اس عنوان کو قبول کرنے میں تکلف سے کام نہیں لیا۔“²²

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مرحوم محقق کو ”اجتہاد“ کے لفظ کے معنی میں تبدیلی کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ اس تبدیلی کے باعث پر خود محقق نے گفتگو نہیں فرمائی۔ تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس تبدیلی کا ایک سبب، ذوق علمی کی تسکین ہو سکتا ہے کہ خواہ مخواہ ایک اصطلاح علی الاطلاق مطعون ہے، جبکہ اس میں وسعت موجود ہے اور اسے صحیح اور مفید معنی میں استعمال کیا جاسکتا ہے، تو کیوں نہ کیا جائے؟ دوسرا سبب علمی توافق ہو سکتا ہے۔ ابو حامد غزالی اور محقق حلی قریب العہد ہیں۔ غزالی، خود قیاس کے قائل تھے اور انہوں نے ”المستصفیٰ“ میں اس کے اثبات کے لئے دلائل دیے ہیں مگر ساتھ ہی ساتھ وہ اجتہاد اور قیاس کو ہم معنی یا مترادف نہیں سمجھتے تھے بلکہ اجتہاد کو قیاس سے اعم قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں: ”بعض فقہاء کے نزدیک قیاس ہی اجتہاد ہے جبکہ یہ درست نہیں ہے؛ اجتہاد، قیاس سے اعم ہے کیونکہ کبھی اجتہاد عمومی مسائل اور الفاظ کی دقتوں پر غور و فکر کے ذریعے ہوتا ہے، اسی طرح قیاس کے علاوہ دیگر ادلہ پر غور و فکر بھی اجتہاد ہی ہے۔“²³ غزالی کا بعض فقہاء کی طرف نسبت دینا اور خود بھی اس مترادف کو قبول نہ کرنا، اس بات پر کافی روشنی ڈالتا ہے کہ اس وقت تک لفظ اجتہاد کی عمومیت کے حوالے سے علماء اہل سنت میں بھی ایک فضا بن چکی تھی۔

بہر صورت، اگر فرض کریں کہ کلمہ اجتہاد محقق کے زمانے میں نئے معنی میں استعمال ہونے لگا تھا یا انہوں نے خود ہی اس کام کو انجام دے دیا تھا تو سوال یہ ہے کہ محقق سے پہلے اجتہاد کا کلمہ کس معنی میں استعمال ہوتا تھا اور انہوں نے اسے کس معنی میں استعمال کیا؟ شہید صدر کے بقول جواب یہ ہے کہ: ”پہلے معنی میں اجتہاد، دلیل شرعی تھا جبکہ جدید معنی میں وہ راستہ کھلیا جسے فقہیہ طے کرتا ہے۔ پہلے اس سے مراد وہ دلیل تھی جس پر اس استدلال کو استوار کیا جاتا تھا مگر اب دلیل شرعی کچھ اور ہے اور اجتہاد استخراج حکم کی کوشش کا نام ہے۔ پہلے مصدر عمل تھا؛ اب خود عمل ہے۔ اس بنا پر اجتہاد، اہل سنت سے مخصوص نہ رہا، بلکہ استخراج حکم کے عمومی معنی میں استعمال ہونے لگا۔ غور کیا جائے تو دونوں معنی میں بنیادی اور جوہری فرق ہے۔ اجتہاد پہلے معنی میں آیت و

روایت کے مقابلے میں مستقل ہے یعنی جس طرح فقہی فتویٰ صادر کرنے کے لئے آیت و روایت سے استدلال کرتا ہے، اسی طرح نص نہ ہونے پر اپنے اجتہاد یعنی اپنی ذاتی فکر سے بھی استدلال کر سکتا ہے۔ اس طرح کہ اگر اس سے پوچھا جائے کہ یہ حکم آپ نے کس بنیاد پر لگایا ہے اور آپ کا مصدر کیا ہے؟ تو وہ جواب میں کہے گا کہ میرا مصدر میرا اجتہاد، یعنی میری رائے ہے۔ اس کے برعکس، جدید معنی میں فقہ کے پاس یہ گنجائش نہیں ہے کہ وہ کسی حکم کو اپنے ذاتی اجتہاد کی بنا پر بیان کرے۔ کیونکہ اجتہاد اس جدید معنی میں حکم شریعت کے لئے مصدر کی حیثیت نہیں رکھتا، بلکہ مصادر سے استنباط کا نام ہے۔ اب اگر فقہ کہے کہ ”یہ میرا اجتہاد ہے“ تو اس کا مطلب ہوگا یہ میں نے مصادر اور دلائل سے استنباط کیا ہے اور ہمیں یہ حق ہوگا کہ ہم ان مصادر کے بارے میں پوچھیں کہ وہ کون سے ہیں؟ اس دوسرے معنی اور مرحلے میں اجتہاد کو زحمت و کوشش سے وابستہ کیا گیا تھا۔ یعنی جب آیت یا روایت کے ظاہر سے ہی ایک بات سمجھ میں آرہی ہے تو زحمت کہاں ہے کہ اسے اجتہاد کہا جائے؟ زحمت تو اس وقت ہوگی جب معاملہ بدیہی نہ ہو نظری ہو۔

مگر بعد کے تیسرے مرحلے میں ظاہر نص سے حکم سمجھنے کو بھی اجتہاد کہا جانے لگا۔ یہ مانا گیا کہ ظاہر نص سے حکم کا سمجھنا بھی آسان نہیں اور صرف عربی جاننے سے یہ مرحلہ طے ہونے والا نہیں ہے۔ الفاظ کے ظاہری معنی کو متعین کرنا خود ایک مشکل کام ہے۔ یہ سوال بھی اٹھایا گیا کہ معنی ظواہر، حجت بھی ہیں یا نہیں یعنی عرف عام میں جو عام لوگ سمجھتے ہیں، مراد شارع بھی وہی ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر احتمال خلاف موجود ہو تو اس کی طرف توجہ کرنی ہے یا نہیں؟ لہذا ہر حکم شرعی کے استنباط کے لئے، چاہے وہ کسی معتبر ذریعے ہی سے استنباط کیا جائے، مخصوص قواعد کا جاننا اور قبول کرنا ضروری ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ، مجتہد بہر حال مجتہد ہوتا ہے اور زحمت برداشت کرتا ہے۔ لفظ ”اجتہاد“ نے چوتھے مرحلے میں مزید وسعت حاصل کی۔ اگر کسی موقع پر فقہ کو کوئی نص نہ ملے، نہ کوئی آیت قرآن، نہ ہی حدیث تو وہ کیا کرے؟ قیاس تو پہلے ہی مسترد کیا جا چکا، پھر کرے کیا؟ جب حکم واقعی تک رسائی کے لئے سیڑھی نہ ملے تو کیا کیا جائے؟ اس مشکل کے حل کے لئے کچھ اصول بیان کئے گئے۔ ان کی حجیت پر بحث اور ان کے ذریعے حکم ظاہری کا حصول بھی اجتہاد کہلایا۔²⁴

خلاصہ یہ کہ ”اجتہاد“ کا لفظ 4 ارتقائی مراحل سے گزرا ہے۔ پہلے مرحلے میں اجتہاد بمعنی قیاس تھا جس پر اہل بیت نے تنقید کی اور شیعہ علماء نے اس کے رد میں کتابیں تحریر کیں۔ دوسرے مرحلے میں محقق حلی نے قیاس کو باطل کہہ کر اور ظاہر نص کو واضح ہونے کی بنا پر اجتہاد سے مستثنیٰ کیا۔ اس کے علاوہ جہاں غور و فکر کی ضرورت اور زحمت ہو وہاں بھی اجتہاد کو قابل قبول جانا۔ تیسرے مرحلے میں ظاہر نص سے چند قابل قبول

تواعد کی روشنی میں حکم کا سمجھنا بھی قابل قبول اجتہاد کہلایا۔ اور چوتھے مرحلہ میں نص نہ ہونے اور حکم واقعی تک راستہ نہ ملنے کی صورت میں حکم ظاہری تک پہنچنے کے لئے وضع شدہ اصولوں کی جیت پر بحث اور تطبیق کو بھی قابل قبول اجتہاد قرار دیا گیا ہے۔

فقہ جعفری کے مختلف ادوار

1. آغاز بعثت سے وفات پیغمبر ﷺ (۱۱ ہجری) تک

فقہ جعفری کے تین برس کے پہلے دور کا آغاز بعثت پیغمبر ﷺ سے اور اس کا اختتام آپ کی وفات پر ہوتا ہے۔ یہ دور واضح طور پر دو حصوں پر مشتمل ہے۔ قبل از ہجرت کی مکی زندگی میں احکام کی تفصیلات نازل نہیں ہوئیں، البتہ کچھ بنیادی باتیں عفت، وعدے، امانتداری اور نماز کی پابندی وغیرہ کے حوالے سے بیان کی گئیں جنہیں مکی سورتوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ تفصیلات ہجرت کے بعد نازل ہوئیں۔ یہاں تشریح احکام کی کیفیت کے حوالے سے چند نکات قابل توجہ ہیں:

1. بعض احکام بتدریج نازل ہوئے۔ مثلاً شراب اور جوئے کی حرمت۔ پہلے نصیحت کا انداز اختیار کیا گیا:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالنَّبِيِّسِ قُلْ فِيهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِّنْ نَّفْعِهِمَا (2: 219)

2. پھر فقط نماز کے موقع پر حرمت کا اعلان کیا گیا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ

تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ (4: 43) اور آخر میں مطلقاً حرمت کا اعلان کر دیا گیا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ

وَالْبَيْسُ وَالْآذَانُ وَالزَّالْمَةُ رِجْسٌ -- -- أَنْتُمْ مُنْتَهَوْنَ (5: 90-91) ترجمہ: ”ایمان والو! شراب، جوا،

بت، پانسہ یہ سب گندے شیطانی اعمال ہیں لہذا ان سے پرہیز کرو تاکہ کامیابی حاصل کر سکو۔

شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے بارے میں تمہارے درمیان بغض اور عداوت

پیدا کر دے اور تمہیں یادِ خدا اور نماز سے روک دے تو کیا تم واقعتاً رُک جاؤ گے؟“

3. بعض احکام لوگوں کے پوچھنے پر بیان کیے گئے۔ جیسے ارشاد ہوا: يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهْلِةِ قُلْ هِيَ (2: 189) ترجمہ: ”یہ

لوگ آپ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔“ بعض احکام کسی خاص شان نزول کے تحت نازل ہوئے

جیسے ”آیہ نبوی“ اور بعض مستقل طور پر جیسے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ

مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ“ (2: 183) ترجمہ: ”اے صاحبانِ ایمان! تم پر روزے اسی طرح فرض کئے گئے

ہیں جس طرح تم سے پہلے والوں پر فرض کئے گئے تھے شاید تم اس طرح متقی بن جاؤ۔“

4. اسی دور میں سنت رسول کو مستقل منبع شریعت قرار دیا گیا۔ جیسے: وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (7:59) ترجمہ: ”اور جو کچھ بھی رسول ﷺ تمہیں دے، اسے لے لو اور جس سے منع کر دے، اس سے رک جاؤ۔“ نیز ارشاد ہوا: وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (44:16) ترجمہ: ”ہم نے آپ پر ذکر کو نازل کیا ہے تاکہ لوگوں کے لئے ان احکام کو واضح کر دیں جو ان کے لئے نازل کئے گئے ہیں۔“

5. کچھ احکام نئے تھے جن سے وہاں کے لوگ آشنا نہ تھے جیسے زکوٰۃ اور خمس جبکہ بعض احکام سے انہیں واقفیت تھی؛ اسلام نے انہیں سمت دی یا بعینہ صحیح ہونے کی توثیق کر دی۔ جیسے طواف کعبہ، بیع و اجارہ وغیرہ۔

پیغمبر اکرم ﷺ کے اجتہاد کا امکان

اگر پوچھا جائے کہ آیا خود پیغمبر اکرم ﷺ اور ائمہ معصومین نے بھی اجتہاد کیا یا نہیں تو علمائے شیعہ اسے درست نہیں سمجھتے۔ کیونکہ پیغمبر اکرم ﷺ وحی کے ذریعے حکم واقعی کو سمجھتے اور بیان فرماتے تھے، وہاں کسی خطا کا کوئی امکان ہی نہیں تھا۔ اس حوالے سے سید مرتضیٰ فرماتے ہیں: ”اجتہاد کے ذریعے حاصل ہونے والے نتیجے کی مخالفت، دوسروں پر، ہر حال میں حرام نہیں ہے جبکہ پیغمبر اکرم ﷺ کی مخالفت ہر حال میں حرام ہے کیونکہ وہ اجتہاد کا نتیجہ نہیں ہے۔“²⁵ شیخ طوسی فرماتے ہیں: ”یہ بحث بنیاد ہی سے ساقط ہے۔“²⁶ علامہ حلی، اجتہاد کی تعریف کے بعد فرماتے ہیں: ”اجتہاد کی بات پیغمبر ﷺ کے باب میں صحیح نہیں۔ جیسا کہ اللہ ارشاد فرماتا ہے: ”یہ خواہش نفس سے بات نہیں کرتے۔ بس وحی ان کا کلام ہے۔“ اور اس لئے بھی کہ اجتہاد ظن کا فائدہ دیتا ہے جبکہ رسول ﷺ خدا سے وحی کے ذریعے آگاہی حاصل کر سکتے تھے۔ اسی لئے پیغمبر ﷺ کئی بار احکام کے بیان میں اس وقت تک توقف فرمایا کرتے تھے جب تک وحی نازل نہ ہو جائے۔ مزید یہ کہ اجتہاد میں خطا کا امکان ہوتا اور یہ پیغمبر ﷺ پر اعتماد سلب یا کم کرنے کا باعث بنتا۔ ان بنیادوں پر شیعوں کے نزدیک نہ صرف پیغمبر ﷺ بلکہ ان کے وارث ائمہ ہدیٰ کے لئے بھی اجتہاد درست نہیں اس لئے کہ یہ سب معصوم ہیں۔²⁷

ابن حزم اندلسی بھی اس معاملے میں کافی حد تک شیعہ علما کے ہمنا ہیں۔ فرماتے ہیں: ”جس کسی کا یہ خیال ہے کہ پیغمبر وحی کے آنے سے پہلے خود ہی اجتہاد کر لیتے تھے وہ بڑے کفر کا مرتکب ہوا ہے کیونکہ قرآن پیغمبر کے بارے میں بیان کرتا ہے: إِنَّ آتِيَ بِكُمْ إِلَّا مَا يُوْحَىٰ إِلَيْكُمْ (50:6) ”میں تو بس اُس کا اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر وحی ہوتی ہے۔“ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (4-3:53) ”یہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ یہ تو وہی

کہتے ہیں جو وحی ان پر نازل ہوتی ہے۔ ”وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ - لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ - ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ (69: 46-44)“ اگر یہ ہم سے کوئی غلط بات منسوب کرتے تو ہم انہیں گرفت میں لے لیتے پھر ان کی شہ رگ جاں قطع کر دیتے۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجتہاد

پیغمبر اکرم ﷺ کی موجودگی میں یہ عجیب سا لگتا ہے کہ کسی صحابی کے اجتہاد کی کوئی گنجائش ہو مگر پیغمبر اکرم ﷺ سے مکانی فاصلہ یا سوال کا امکان نہ ہونے کی وجہ سے بعض موقعوں پر اجتہاد کی ابتدائی صورتیں ملتی ہیں۔ مثلاً حضرت عمار یا سفر میں جب ہو گئے۔ پانی موجود نہیں تھا، یہ معلوم تھا کہ غسل کے بدلے تیمم کرنا ہے مگر یہ نہیں جانتے تھے کہ تیمم کیسے کرنا ہے؟ اس موقع پر انہوں نے اجتہاد کیا اور پورے جسم کو خاک آلودہ کر لیا تاکہ غسل کی صورت میں جہاں جہاں پانی پہنچانا ضروری ہے وہاں مٹی پہنچ جائے۔²⁸ شاید حضرت عمارؓ کے اجتہاد کی درج ذیل بنیادیں تھیں:

- ۱۔ نماز دین کا ستون ہے جسے ترک نہیں کیا جا سکتا۔
- ۲۔ بغیر طہارت کے نماز نہیں ہو سکتی۔
- ۳۔ پانی نہ ہونے کی صورت میں مٹی پانی کا بدل ہے۔
- ۴۔ اصل اور بدل میں مساوات کی رعایت لازم ہے۔

اس میں چوتھا مقدمہ حضرت عمارؓ کا استنباط تھا جس پر انہوں نے نتیجہ مرتب کیا کہ جہاں غسل میں پانی پہنچانا ضروری ہے، وہاں وہاں مٹی کو پہنچانا بھی ضروری ہوگا۔ بعد میں آپؐ نے اصلاح فرمائی اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو تیمم کے اسی طریقے کی تعلیم دی جو وضو کے بدلے کیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد کیا تمام صحابہ قابلیت اجتہاد رکھتے تھے؟ یا ان میں مراتب کا فرق تھا حضرت علیؓ اس کی وضاحت کرتے ہوئے سائل کو جواب دیتے ہیں: ”ایک شخص نے آپؐ سے من گھڑت اور متعارض حدیثوں کے متعلق دریافت کیا جو (عام طور سے) لوگوں کے پاس پائی جاتی ہیں، تو آپؐ نے فرمایا کہ لوگوں کے پاس؛ حق باطل، سچ جھوٹ، ناخ منسوخ، اور خاص، واضح مبہم، صحیح غلط؛ سبھی کچھ ہے۔ خود رسولؐ کے دور میں آپؐ پر بہتان باندھے گئے۔ یہاں تک کہ آپؐ کو خطبہ میں کہنا پڑا کہ جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر بہتان باندھے گا تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ تمہارے پاس حدیث لانے والے بس چار طرح کے ہیں:

ایک شخص وہ ہے جس کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ۔ وہ ایمان کی نمائش کرتا ہے اور مسلمانوں کی سی وضع قطع بنا لیتا ہے۔ نہ گناہ کرنے سے گھبراتا ہے اور نہ کسی افتاد میں پڑنے سے جھجکتا ہے، وہ جان بوجھ کر رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ اگر لوگوں کو پتہ چل جاتا کہ یہ منافق اور جھوٹا ہے تو اس سے نہ کوئی حدیث قبول کرتے اور نہ اس کی بات کی تصدیق کرتے لیکن وہ تو یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا صحابی ہے اس نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا ہے اور ان سے حدیثیں سنی ہیں اور آپ سے تحصیل علم بھی کیا ہے چنانچہ وہ (بے سوچے سمجھے) اس بات کو قبول کر لیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ نے تمہیں منافقوں کے متعلق خبر دے رکھی ہے اور ان کے رنگ ڈھنگ سے بھی تمہیں آگاہ کر دیا ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی موجود تھے۔ انہوں نے کذب و بہتان کے ذریعہ پیشویان ضلالت اور داعیان جہنم کے پاس اثر و رسوخ پیدا کیا۔ چنانچہ انہوں نے ان کو (اچھے اچھے) عہدوں پر لگایا اور حاکم بنا کر لوگوں کی گردنوں پر مسلط کر دیا اور ان کے ذریعہ سے اچھی طرح دنیا کو حلق میں اتارا۔ لوگوں کا تو چلن یہی ہے کہ وہ بادشاہوں اور دنیا (والوں) کا ساتھ دیا کرتے ہیں سو اس قلیل جماعت کے، جسے اللہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ چار میں سے ایک تو یہ ہوا۔

دوسرا شخص وہ ہے جس نے (تھوڑا بہت) رسول اللہ سے سنا لیکن جوں کا توں اسے یاد نہ رکھ سکا اور اسے سہو ہو گیا۔ یہ جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتا۔ یہی اس کے دسترس میں ہے، اسے دوسروں سے بیان کرتا ہے اور خود بھی عمل پیرا ہوتا ہے اور کہتا بھی یہی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ اگر مسلمانوں کو یہ خبر ہو جاتی کہ اس کا حافظہ کمزور ہے تو وہ اس کی بات کو نہ مانتے بلکہ وہ خود بھی اپنی اس کمزوری پر مطلع ہونے کی صورت میں اصرار نہ کرتا۔

تیسرا شخص وہ ہے جس نے ایک حکم بزبان رسول سنا۔ مگر بعد میں جب پیغمبر اللہ ﷺ نے اس سے روک دیا، اس کا اسے علم نہ ہو سکا۔ یا برعکس کہ اس نے پیغمبر اللہ ﷺ کو منع کرتے ہوئے سنا مگر بعد میں اجازت دے دی تھی جس کا اسے علم نہ ہوا۔ اس نے منسوخ کو تو یاد رکھا مگر ناسخ کو محفوظ نہ رکھ سکا۔ اگر خود اسے تنبیخ کا علم ہوتا تو وہ اصرار نہ کرتا۔ اسی طرح مسلمانوں کو بھی اس کے منسوخ ہو جانے کی خبر ہو جاتی تو وہ بھی اسے نظر انداز کر دیتے۔

چوتھا شخص وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ نہیں باندھتا۔ وہ خوف خدا اور عظمت رسول اللہ ﷺ کے پیش نظر کذب سے نفرت کرتا ہے اس کی یادداشت بھی ٹھیک ہے۔ جس طرح سنا، اسی طرح یاد رکھا اور اسی طرح اسے بیان کیا، نہ کچھ بڑھایا نہ کچھ گھٹایا، ناسخ اور منسوخ کو پیش نظر رکھا اور ان کے تقاضوں کے مطابق عمل کیا۔ وہ اس حدیث کو بھی جانتا ہے جس کا دائرہ محدود ہے اور اسے بھی جو ہمہ گیر اور سب کو شامل ہے، ہر حدیث کو اس کے محل و مقام پر رکھتا ہے، یوں ہی واضح اور مبہم حدیثوں کو بھی پہچانتا ہے۔

کبھی رسول اللہ ﷺ کا کلام دورِ رخ لئے ہوتا تھا۔ کچھ کلام وہ جو کسی وقت یا افراد سے مخصوص ہوتا تھا اور کچھ وہ جو تمام اوقات اور تمام افراد کو شامل ہوتا تھا اور ایسے افراد بھی سن لیا کرتے تھے کہ جو سمجھ ہی نہ سکتے تھے کہ اس سے کیا مراد لیا گیا ہے اور پیغمبر اللہ ﷺ کا اس سے مقصد کیا ہے؟ وہ اسے سن تولیتے تھے اور کچھ نہ کچھ مفہوم بھی قرار دے لیتے تھے۔ مگر اس کے حقیقی معنی، مقصد اور وجہ سے ناواقف ہوتے تھے۔ اصحاب پیغمبر اللہ ﷺ میں سب ایسے نہ تھے کہ جنہیں آپ سے سوال کرنے کی ہمت ہو۔ بلکہ وہ تو یہ چاہا کرتے تھے کہ کوئی صحرائی بدویا پردیسی آجائے اور وہ کچھ پوچھے تو یہ بھی سن لیں۔ مگر میرے سامنے اگر کوئی چیز آتی تھی میں اس کے متعلق پوچھتا تھا اور پھر اسے یاد بھی رکھتا تھا۔ یہ ہیں لوگوں کی احادیث و روایات میں اختلاف کی وجوہ و اسباب۔²⁹

2. ۱۱ ہجری سے آغازِ غیبتِ صغریٰ (۲۶۰ ہجری)

پیغمبر اکرم اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد آپ پر نازل شدہ شریعت کی تشریح کا مرحلہ تھا جو فقہ جعفری کے دوسرے دور کو تشکیل دیتا ہے۔ اس مرحلہ کے لئے آپ ﷺ نے حدیثِ ثقلین میں اپنی عترت و اہل بیت علیہم السلام کو قرآن کا ہم ردیف قرار دیا۔ امام معصومؑ کے دسترس میں ہونے کے سبب، حضورؐ کی احادیث اور سنت کا بے لوث اور خالص ورژن حاصل کرنا ممکن تھا۔ اس پورے دور کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ حضرت علیؑ سے امام زین العابدینؑ کی امامت تک کا دور (۹۵ تا ۱۱ ہجری)

پیغمبر اکرم اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کتابتِ حدیث پر پابندی لگا دی گئی۔³⁰ مگر اصحابِ شیعہ نے اس کا خیر مقدم نہیں کیا۔ ذیل میں کچھ متعلقہ آثار کا ذکر کیا جا رہا ہے جو اہل بیت یا ان کے شاگردوں کے ذریعے انجام پائے:

۱۔ کتابِ علیؑ: علامہ الشیخ علی الاحمدی نے اپنے موسوعہ میں ایک حصہ ان روایات کا رکھا ہے جو کتابِ علیؑ تک منتہی ہوتی ہیں۔ انہیں احادیث کی کتابوں مثلاً وسائل الشیعہ میں محفوظ کیا گیا ہے۔³¹

۲۔ الصحیفہ: یہ بھی حضرت علیؑ ہی سے منسوب ہے جس میں خصوصیت کے ساتھ ”دیات“ سے متعلق مسائل کو جمع کیا گیا ہے۔ شیخ احمد نے مختلف کتابوں سے اس صحیفہ تک منتہی ہونے والی احادیث کا بھی پتہ لگایا ہے۔³²

۳۔ ابورافع صحابی: یہ بھی صحابہ کرام اور حضرت علیؑ کے شیعوں میں شامل تھے۔ نجاشی کے مطابق ان کے پاس بھی ایک کتاب تھی جو نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل پر مشتمل تھی۔³³

۴۔ علی بن ابی رافع التامی: اوپر ان ہی کے والد کا ذکر گزرا۔ حضرت علیؑ کے ساتھیوں میں سے تھے بلکہ ان کے کاتب ہونے کا شرف بھی انہیں حاصل ہوا۔ ایک کتاب وضو، نماز اور دیگر ابوابِ فقہ پر مرتب فرمائی۔³⁴

۵۔ عبید اللہ بن ابی رافع التابعی : حضرت علیؑ کے قضایا سے متعلق ایک کتاب تالیف کی جس کا ذکر شیخ طوسی نے الفہرست میں کیا ہے۔³⁵

۶۔ ربیعہ بن سبیح التابعی : نجاشی نے مؤلفین حدیث کے طبقہ اولیٰ میں انہیں شمار کیا ہے اور ان کی کتاب کا ذکر کیا ہے جو زکوٰۃ کے بارے میں ہے۔³⁶

۷۔ عبید اللہ بن الحر الجبفی التابعی : نجاشی کے بقول ان کے پاس بھی ایک نسخہ موجود تھا جسے وہ حضرت علیؑ سے روایت کرتے تھے۔³⁷

یہ ان کی مثالیں ہیں جنہوں نے سنت رسولؐ کو حضرت علیؑ سے حاصل کیا۔ حالات کے مخدوش ہونے کے باوجود، بعد کے تین ائمہ (حضرت امام حسنؑ، حضرت امام حسینؑ اور حضرت امام زین العابدینؑ) سے استفادہ کرنے والے افراد کا بھی ذکر ملتا ہے۔ شیخ طوسی نے امام حسنؑ سے روایت کرنے والوں کی تعداد باون (۵۲) بتائی ہے۔ اسی طرح امام حسینؑ سے روایت کرنے والے صحابہ اور تابعین کی تعداد ایک سو نو (۱۰۹) بتائی ہے، امام زین العابدینؑ کا زمانہ خاص طور پر واقعہ کربلا کے بعد بہت سخت تھا مگر ان سے بھی فقہ، حدیث، اخلاق، عقائد اور معاشرتی مسائل پر مشتمل علمی میراث اگ منتقل ہوئی ہے۔ صحیفہ سجادیہ اور رسالہ الحقوق اس کی واضح مثالیں ہیں۔ شیخ طوسی نے امام زین العابدینؑ کے شاگردوں اور راویوں کی تعداد ایک سو پچھتر (۱۷۵) تک بتائی ہے۔³⁸

۲۔ امام محمد باقرؑ کی امامت سے غیبت صغریٰ تک (۲۶۰ تا ۲۹۵ھ)

امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کو نسبتاً سکون کا زمانہ ملا۔ اُموی اور عباسی کشمکش کے نتیجے میں ان دونوں ائمہؑ کو باقاعدہ علمی محافل تشکیل دینے اور احادیث نبویؐ کو منتقل کرنے اور ان سے استخراج احکام کی تربیت کا موقع ملا جسے بعد میں صحیح اجتہاد سے تعبیر کیا گیا۔ اہل بیتؑ اپنے علوم کو اپنے جد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی علمی میراث سمجھتے تھے اور پورے اعتماد کے ساتھ اپنے سلسلے کو اپنے آباؤ اجداد کے ذریعے حضور ﷺ تک پہنچاتے تھے۔ امام جعفر صادقؑ فرمایا کرتے تھے: حَدِيثِي حَدِيثُ أَبِي وَ حَدِيثُ أَبِي حَدِيثُ جَدِّي وَ حَدِيثُ جَدِّي حَدِيثُ الْحُسَيْنِ وَ حَدِيثُ الْحُسَيْنِ حَدِيثُ الْحَسَنِ وَ حَدِيثُ الْحَسَنِ حَدِيثُ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ ﷺ وَ حَدِيثُ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ حَدِيثُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَ حَدِيثُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ حَدِيثُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَ حَدِيثُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ۔³⁹ یعنی: "میری حدیث، میرے بابا کی حدیث ہے اور میرے بابا کی حدیث، میرے دادا کی حدیث ہے اور میرے دادا کی حدیث، حسین (علیہ السلام) کی حدیث ہے اور حسین (علیہ السلام) کی حدیث حسن (علیہ السلام) کی حدیث ہے اور حسن (علیہ السلام) کی حدیث امیر (علیہ السلام) کی حدیث امیر

المومنین علیہ السلام کی حدیث ہے اور امیر المومنین علیہ السلام کی حدیث رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث اللہ عزوجل کا فرمان ہے۔

ان دونوں ائمہ کے مکتب سے ہزاروں محدثین نے تربیت حاصل کی۔ نجاشی نے حسن بن علی الوشا کی ایک سائل سے ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے نقل کیا ہے: ”۔۔۔ میں نے اس مسجد میں نو سو (۹۰۰) شیوخ کو دیکھا جو سب کے سب جعفر ابن محمد سے حدیث نقل کر رہے تھے۔۔۔“⁴⁰ ان اماموں کے زمانے میں جو تالیفات ہوئیں ان میں سے کچھ کو ”اصول“ اور کچھ کو ”تصنیف“ کہا گیا۔ ان دونوں کی اہمیت اور ان کے درمیان فرق کو سمجھاتے ہوئے آیت اللہ جعفر سبحانی لکھتے ہیں: ”اصول میں خطا، غلطی، سہو اور نسیان کا امکان تصنیف کے مقابلے میں کم تھا اس لئے کہ ”اصل“ ان احادیث پر مشتمل ہوتی تھیں جسے راوی نے معصوم سے یا براہ راست سنا، یا درمیان میں فقط ایک واسطہ تھا جبکہ ”تصنیف“ میں اس حوالے سے کافی گنجائش موجود تھی۔ ائمہ اہل بیت کے شاگردوں نے امام صادق کے زمانے سے لے کر امام رضا کے زمانے تک ایسی چار سو (۴۰۰) کتابیں تحریر کی ہیں جنہیں ”الاصول الاربعہ مائتہ“ کا نام دیا گیا جو منفرد حیثیت رکھتی تھیں اور جس کے معیار تک دوسری کتابیں نہیں پہنچتی تھیں۔“⁴¹

اسی طرح سید رضی الدین (المتوفی ۶۶۴ھ) اپنے والد سے نقل کرتے ہیں: ”امام علی رضا کے گھر والوں اور ماننے والوں میں سے ایک گروہ ان کی مجلس میں حاضر ہوا کرتا تھا، ان کے پاس قلم، دوات اور تختیاں ہوا کرتی تھیں۔ امام رضا جو فرماتے یا فتویٰ دیتے وہ لوگ سنتے ہی اسے تحریر کر لیا کرتے تھے۔“⁴² شیخ بہاء الدین عاملی فرماتے ہیں: ”ہم تک ہمارے مشائخ کے ذریعے سے یہ بات پہنچی ہے کہ ”اصحاب اصول“ کا یہ طریقہ کار تھا کہ جیسے ہی وہ ائمہ میں سے کسی سے کوئی حدیث سنتے تو فوراً اسے اپنی ”کتب اصول“ میں درج کر لیتے۔ یہ خاص اس خیال سے تھا کہ کہیں کوئی حصہ یا مکمل حدیث وقت گزرنے کے ساتھ نسیان کا شکار نہ ہو جائے۔“⁴³

علامہ طبرسی فرماتے ہیں: ”امام جعفر صادق سے چار ہزار مشہور اہل علم نے روایت کی ہے۔ مختلف سوالات کے جو جوابات آپ نے دیئے انہیں چار سو کتابوں میں محفوظ کیا گیا اور انہیں ”الاصول“ کہا گیا۔ انہیں روایت کرنے والے امام جعفر صادق کے رفقاء، ان کے اجداد کے ساتھی اور ان کے فرزند امام موسیٰ کاظم کے احباب تھے۔ مختلف فنون پر محیط علوم کی کوئی شاخ ایسی نہ تھی جس پر ان کی روایت موجود نہ ہو۔“⁴⁴

”اصول اربعہ مائتہ“ کا بعد میں ترتیب پانے والی ”اصول اربعہ“ (الکافی، من لا یحضرہ الفقیہ، تہذیب، الاستبصار) کے ساتھ تعلق کو سمجھاتے ہوئے آیت اللہ جعفر سبحانی لکھتے ہیں: ”یہ کتب اصول (اصول

اربعمانیہ) کسی خاص ترتیب کے تحت جمع نہیں کی گئی تھیں چونکہ یہ زیادہ تر ائماء اور مختلف سوالات کے جوابات پر مشتمل تھیں، لہذا بعد میں علماء نے مختلف ابواب کے تحت مرتب انداز میں روایات کو نقل کرنے کا بیڑا اٹھایا تاکہ ان سے استفادہ آسان ہو جائے۔ لہذا جو ان اصول میں تھا انہیں بعد کی کتب احادیث میں، خصوصیت کے ساتھ کتب اربعہ میں نقل کیا گیا اور ترتیب کا خاص خیال رکھا گیا۔ ان کے مشہور ہونے کے ساتھ ساتھ ”اصول اربعمانیہ“ کے استتساخ اور بنیادی نسخوں کی حفاظت کی طرف رغبت کم ہوتی گئی۔⁴⁵

ان سب باتوں کے باوجود شیعہ علماء تسلیم کرتے ہیں کہ صحیح احادیث میں غلط اور جھوٹی احادیث کے خلط ملا ہونے کا سلسلہ بھی رہا۔ خصوصیت کے ساتھ غالیوں کے منفی کردار نے بہت نقصان پہنچایا۔ مثلاً مغیرہ بن سعید نے امام محمد باقر سے جھوٹی احادیث منسوب کیں اور امام جعفر صادق کو اس کے کذب اور اس سے برائت کا اعلان کرنا پڑا، پھر آپ نے اپنے اصحاب کو احادیث کی جانچ کے لئے قاعدہ تعلیم کرتے ہوئے فرمایا: ”ہم سے اسی حدیث کو صحیح ماننا جو قرآن اور سنت کے موافق ہو یا تم اس کے ساتھ کسی اور سابقہ حدیث کو شاہد کے طور پر پاؤ۔ یقیناً مغیرہ بن سعید نے میرے والد کے ساتھیوں کی کتابوں میں تجاوز کیا اور ان باتوں کو بیان کیا جو میرے والد نے نہیں کہیں۔ اللہ سے ڈرو اور ہم سے اس بات کو صحیح نہ سمجھو جو اللہ اور سنت رسول کے مخالف ہو.....“⁴⁶ ائمہ کی علمی نشستوں میں آنے والے افراد ایک سطح اور ایک طرح کے نہیں تھے۔ ان کی درجہ بندی اس طرح کی جاسکتی ہے:

1. عوام الناس میں سے کوئی آتا، اپنا سوال پوچھتا اور امام اس کو جواب دے دیتے۔
2. وہ لوگ جو ضبط احادیث کی مہارت رکھتے تھے مگر اس سے آگے استنباط احکام ان کے بس کی بات نہیں تھی۔
3. وہ افراد جن کی سطح بلند تھی اور وہ کلیات اور اصول کو سمجھنے کے ساتھ استنباط احکام کی صلاحیت بھی رکھتے تھے۔
4. اپنوں کے بھیس میں غالی بھی تھے جن کا معاملہ روشن ہونے پر امام نشانہ ہی فرمادیا کرتے تھے۔
5. بعض ایسے بھی تھے جو ائمہ کے علم کے معترف تھے مگر انہیں امام معصوم نہیں مانتے تھے۔ مثلاً ابو حنیفہ۔

مجتہدین کی تربیت میں ائمہ علیہم السلام کی روش

ائمہ طاہرین علیہم السلام نے درحقیقت، مجتہدین اور فقہاء کی تربیت کی ہے۔ ائمہ کا استنباط احکام کا طریقہ سمجھانے کے لئے کی روش کو سمجھنے کے لئے درج ذیل مثالوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے:

1. زراہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقرؑ کی خدمت میں عرض کی کہ کیا آپ مجھے یہ سمجھائیں گے کہ آپ نے سر اور پاؤں کے صرف بعض حصہ پر مسح کرنے کو کیونکر کافی جانا؟ امام نے مسکرا کر فرمایا: اے زراہ! یہ مطابق بفرمان رسول خدا ﷺ اور قرآن ہے۔ خدا فرماتا ہے: فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ (اپنے چہروں کو دھوؤ)، اس سے ہم نے یہ سمجھا کہ تمام چہرہ دھونا چاہئے۔ پھر خدا نے متصل فرمایا: وَ اَيِّدِيكُمْ اِلَى الْمِرْفَاقِ (اور کہنیوں سمیت ہاتھوں کو دھوؤ)، اس سے ہم نے یہ سمجھا کہ تمام ہاتھ کو نہیں دھونا بلکہ صرف کہنیوں سے انگلیوں تک دھونا ہے۔ اس کے بعد خدا نے سابقہ کلام سے کچھ فاصلہ کر کے اگلا حکم دیتے ہوئے فرمایا: وَ اَمْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ (اور سروں کے بعض حصے کا مسح کرو)۔ اس ”باء“ (بعضیت) کی وجہ سے ہم نے یہ سمجھا کہ سر کے کچھ حصے کا مسح کرنا ہے اور پیغمبر اسلام ﷺ نے (اپنے قول و فعل سے) اس کی تفسیر کر کے بتائی مگر لوگوں نے (اسے محفوظ نہ رکھا) اور اسے ضائع کر دیا۔“⁴⁷

2. زراہ اور بکیر دونوں نے حضرت امام باقرؑ سے رسول خدا ﷺ کا طریقہ وضو بیان کرنے کی درخواست کی۔ امام نے ایک طشت منگوایا، یہاں تک کہ فرمایا کہ خدا فرماتا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَ اَيِّدِيكُمْ إِلَى الْمِرْفَاقِ (خدا نے اس آیت مبارکہ میں) چونکہ منہ اور ہاتھوں کے دھونے کا حکم دیا ہے اس لئے چاہئے کہ وضو کرنے والا منہ کا کوئی حصہ دھوئے بغیر نہ چھوڑے اسی طرح کہنیوں سے لے کر انگلیوں کے سروں تک ہاتھوں کا کوئی حصہ بغیر دھوئے نہ چھوڑے۔“⁴⁸

3. محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے پوچھا۔ میں آپ سے حدیث سن کر کچھ اضافہ یا کمی کر سکتا ہوں؟ امام نے فرمایا: اگر تمہارا ارادہ معانی بیان کرنے کا ہے تو کوئی حرج نہیں۔“⁴⁹

ائمہ طاہرینؑ کی اس تربیت کے نتیجے میں جن مجتہدین اور فقہاء نے تربیت پائی ان کو ذیل کے 3 طبقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

پہلا طبقہ: اس طبقے میں اساسی طور پر تین شخصیات نے تربیت پائی۔ یہ شخصیات بالترتیب سعید بن المسیب بن حزن بن وہب القرشی المدنی (۱۳ سے ۹۲ھ)، القاسم بن محمد ابی بکر (متوفی ۱۰۸) اور ابو خالد الکلبی (یہ دوسری صدی ہجری) ہیں۔ ان شخصیات کے حوالے سے حضرت امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے: كَانَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيْبِ وَالْقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ وَ أَبُو خَالِدٍ الْكَلْبِيُّ مِنْ ثِقَاتِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ⁵⁰ اسی طرح عطیہ بن سعد العوفی الجدی الکلونی (متوفی ۱۱۱ھ) کو بھی ائمہ معصومین علیہم السلام کے تربیت یافتہ پہلے طبقہ فقہاء میں قرار دیا جاسکتا ہے۔

دوسرا طبقہ: اس طبقے نے پانچویں اور چھٹے امام کے زمانے میں تربیت پائی اور اس قابل ہوئے کہ فروع کو اصول کی طرف پلٹا سکیں۔ کشی نے اپنی کتاب میں ایک باب باندھا ہے ”تسبیۃ الفقہاء من اصحاب ابی جعفر و ابی عبد اللہ علیہم السلام“ جس میں اس طبقے کے چھ فقہاء کے نام اس طرح لکھے ہیں: زرارہ، معروف بن خربوزہ، برید بن معاویہ، ابوبصیر الاسدی، الفضیل بن یسار اور محمد بن مسلم الطائفی۔ ان میں زرارہ سب سے نمایاں تھے۔ دوسرے طبقے کے بعض فقہاء ایسے بھی ہیں جنہوں نے پانچویں امام کا زمانہ نہیں پایا۔ کشی نے ان کا ذکر علیحدہ باب ”تسبیۃ الفقہاء من اصحاب ابی عبد اللہ“ کے ذیل میں کیا ہے۔ ان کے نام بالترتیب یہ ہیں: جمیل بن دراج، عبد اللہ بن مسکان، عبد اللہ بن کبیر، حماد بن عثمان، حماد بن عیسیٰ اور ابان بن عثمان۔ اس طبقے کے فقہاء میں جمیل بن دراج سب سے نمایاں تھے۔

تیسرا طبقہ: امام موسیٰ کاظمؑ اور امام علی رضاؑ کے تربیت یافتہ فقہاء کا ذکر کشی نے ”تسبیۃ الفقہاء من اصحاب ابی ابراہیم و ابی الحسن علیہما السلام“ کے باب میں کیا ہے۔ تیسرے طبقے کے ان فقہاء میں سے بعض کے نام یہ ہیں: یونس بن عبد الرحمن، صفوان بن یحییٰ بیاع السابری، محمد بن ابی عمیر، عبد اللہ بن مغیرہ، الحسن بن محبوب اور احمد بن محمد بن ابی نصر۔ بعد کے ائمہ کے زمانے میں الفضل بن شاذان بن الحلیل اور ابو محمد الازدی نیشاپوری (المتوفی ۲۶۰ھ) نمایاں تھے۔ ان کے والد، یونس کے ساتھیوں میں سے تھے۔ انھیں امام محمد تقی جوادی سے روایت کرنے کا شرف حاصل رہا۔ نجاشی کے مطابق، انھوں نے ۱۸۰ کتابیں تحریر کیں۔⁵¹ فقہ میں بھی ان کی ایک سے زائد کتابیں تھیں۔ کتاب الطلاق، الفرائد الکبیر، الفرائد الاوسط، الفرائد الصغیر اور دیگر کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔ افسوس! یہ کتابیں ہم تک نہ پہنچ سکیں مگر شیخ کلینی نے کتاب الطلاق اور الفرائض کا ایک حصہ نقل کیا ہے۔ نقل شدہ حصے میں دقت کرنے سے یہ پتا چلتا ہے کہ شیعہ فقہ اس زمانے میں استقلال حاصل کر رہی تھی اور فتویٰ دیتے ہوئے معاملہ سند کو حذف کر کے نص پر اکتفا کرنے سے آگے بڑھ رہا تھا اور نص میں موجود الفاظ کی پابندی کو بھی بعض مقامات پر ضروری نہیں سمجھا گیا تھا۔ اسے الکافی کتاب الطلاق، باب الفرق بین من طلق علی غیبا السنۃ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ الفضل بن شاذان کی کتاب ”الایضاح“ ہم تک پہنچی ہے۔ اس میں کچھ فقہی مسائل پر استدلالی بحث موجود ہے۔

خلاصہ یہ کہ ائمہ معصومینؑ کے زمانے میں معاملہ صرف حدیث کے نقل کرنے تک محدود نہیں تھا بلکہ ظرف اور صلاحیت کو دیکھتے ہوئے ائمہ معصومینؑ، صحیح اجتہاد کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے اور فروع کو

اصول کی طرف پلٹانا سکھاتے تھے، جیسے امام رضاؑ کا ارشاد ہے: ”ہمارے ذمے اصول سکھانا ہے اور تمہاری ذمہ داری ان سے فروغ نکالنا ہے۔“⁵² نیز ائمہ اپنے ساتھیوں کو احادیث پر غور و فکر کے لئے ابھارتے تھے۔ امام صادقؑ فرماتے ہیں: ”تم لوگوں میں سب سے زیادہ فقیہ وہ ہے جو ہمارے کلام کے معانی کو پہچان سکے کیونکہ ایک ہی کلمہ مختلف انداز سے استعمال ہو سکتا ہے۔ (فہم نہ ہونے کی صورت میں) انسان مطلب کچھ کا کچھ کر دے گا جبکہ اس کا ارادہ جھوٹ کا بھی نہیں ہوگا۔“⁵³ امام رضاؑ فرماتے ہیں: ”ہمارے اخبار میں قرآن کی طرح محکم بھی ہیں اور تشابہ بھی لہذا تشابہ کو محکم کی طرف پلٹاؤ۔ محکم کو چھوڑ کر تشابہ کے اتباع کا نتیجہ گمراہی ہے۔“⁵⁴ خلاصہ یہ کہ فقہ جعفری کے امام باقر علیہ السلام سے شروع ہونے والے دور میں فقہ جعفریہ جن ارتقائی منازل سے گذر کر آگے بڑھی، انہیں چار مرحلوں میں خلاصہ کیا جا سکتا ہے:

پہلا مرحلہ: احادیث کی بغیر کسی ترتیب و تنظیم کے جمع آوری مثلاً اصول اربعہ۔

دوسرا مرحلہ: موضوعات کے اعتبار سے فقہی احادیث کی ترتیب و تنظیم۔

تیسرا مرحلہ: سند حذف کر کے روایات کے الفاظ ہی کو فتوے کے طور پر بیان کرنا جس کا نمونہ شیخ صدوق کی ”المقتع“ ہے۔

چوتھا مرحلہ: احادیث و روایات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے الفاظ اور تعبیرات میں فتاویٰ کو بیان کرنا۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ چوتھے مرحلے میں علم فقہ نے اپنی مستقل حیثیت حاصل کر لی۔⁵⁵ واضح رہے کہ اس ارتقاء کو آسانی سے قبول نہیں کیا گیا۔ یہ چوتھا مرحلہ بہت طولانی ثابت ہوا یہاں تک کہ شیخ طوسی نے المبسوط تحریر کر کے اس انداز کو استقلال عطا کیا۔

دور ائمہ کے علمی مراکز

۱۔ مدینہ منورہ

جو اصحاب رسولؐ و تابعین میں سے بڑی تعداد کا مسکن تھا اور امام جعفر صادقؑ کے زمانے تک فعال رہا۔ اسے پہلا باقاعدہ اسلامی مدرسہ کہنا چاہئے۔ ائمہ کے زمانے سے پہلے حضرت سلمان فارسیؓ، ابن عباسؓ، ابوذر غفاریؓ اور ابو رافعؓ وغیرہ اسی مدرسے کا ثمر تھے۔ بعد رسولؐ، ائمہ کے زمانے میں سعید بن مسیب، قاسم بن محمد اور ابو خالد کابلی وغیرہ نمایاں رہے۔

۲۔ کوفہ

اپنی ظاہری خلافت کے زمانے میں حضرت علیؑ کو مدینہ سے کوفہ آنا پڑا۔ باوجود یہ کہ وہ زمانہ بہت پُر آشوب تھا مگر آپ کے کوفہ آجانے سے کوفہ میں خاصی علمی چہل پہل شروع ہوئی۔ امام جعفر صادقؑ بھی، اپنی زندگی کے آخری دور میں، دو سال کے لئے کوفہ تشریف لائے۔ کوفہ کے فقہاء میں ابان بن تغلب بن رباح کوئی شامل ہیں جنہوں نے کئی ہزار احادیث امام صادق سے نقل کیں۔ ایسا ہی معاملہ محمد ابن مسلم کوئی کا بھی تھا۔ کوفہ میں چند گھر، علمی اور فقہی خدمات کی وجہ سے مشہور تھے مثلاً بیت آل العین، بیت آل حیان تغلبی اور بیت بنی دراج۔

۳۔ بغداد

ائمہ اہلبیت میں، امام موسیٰ کاظمؑ پہلی شخصیت ہیں جن کی شہادت بغداد میں ہوئی اور انہیں اس کے مضافات میں مقبرۃ القریش میں دفن کیا گیا۔ اس زمانے سے شیعہ علماء کی بڑی تعداد وہاں جمع ہونا شروع ہو گئی۔ نواب اربعہ، ابن قولویہ، شیخ کلینی، شیخ مفید، سید مرتضیٰ، سید رضی وغیرہ نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ بغداد ہی میں گزارا۔ یہ سلسلہ فسادات کے بعد شیخ طوسی کے نجف ہجرت کر جانے تک ایسے ہی رہا۔

۴۔ قم اور رے

یونس بن عبدالرحمن کے شاگرد ابراہیم بن ہاشم کوئی کے ۲۵۰ھ میں قم تشریف لانے سے قم کی علمی رونق میں بہت اضافہ ہوا۔ بتدریج بہت سے محدثین، قم اور رے میں جمع ہونا شروع ہو گئے۔ غیبت کبریٰ کے اوائل میں قم اور رے کی علمی فعالیت اپنے عروج پر تھی۔ قم کے محدثین میں زکریا بن آدم نمایاں تھے، جنہیں تین ائمہ؛ امام صادق، امام رضا اور امام تقی جواد سے استفادے کا موقع ملا۔ ان کا مزار قم کے قبرستان شیخان میں معروف ہے۔⁵⁶

حوالہ جات

1- الامام ابی عبد اللہ محمد بن مکی العالمی، الشہید الاول، القواعد والنقواعد (قم، منشورات مکتبۃ المفید، سن ندارد)، 30؛ الشیخ السعید جمال الدین نجل الشہید الثانی زین الدین العالمی، الشیخ حسن، معالم الدین و ملاذ المجتہدین، اصول فقہ کی بحث کی ابتدا میں (قم، مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ المرعشی النجفی، 1413ھ، ق)، 66۔

- 2- السيد محمد باقر، الصدر، المعالم الجديدة للأصول، دروس تمهيدية في علم الاصول المعالم الجديدة للأصول (تهران، مكتبة النجاشي، 1395ق)، 7-
- 3- إبي الفضل جمال الدين محمد بن مكرم الإفريقي المصري، ابن منظور، لسان العرب، مادة ”نيط“ (قم، نشر ادب المحوزة، 1405 هـ، 1363 ش)-
- 4- ايضاً، مادة ”جهد“-
- 5- إبي القاسم، الميرزا قمي، القوانين الحکمة في الأصول، ج 4 (قم، احيا الكتب الاسلامية، 1430 هـ)، 235-
- 6- شيخ محمد بن حسن، الحر العاملي، وسائل الشيعية، ج 27، باب تحريم الحكم بغير الكتاب والسنة ووجوب نقض الحكم مع ظهور الخطا المسلم (قم، مؤسسة آل البيت، 1409 ق)، 34؛ إبي الحسين مسلم بن حجاج قشيري نيشاپوري، صحيح مسلم شريف، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب رضي الله عنه، (كراچی، ناشر نادر، 2005 م)، حديث رقم 8-
- 7- الحر العاملي، وسائل الشيعية، 62-
- 8- البهبهاني، الوحيد، محمد باقر، الفوائد الحاشية، فائده 36، از فوائد قدیمة (قم، مجمع الفكر الإسلامي، 1415 ق)، 337-
- 9- محمد بن يعقوب بن اسحاق، الكليني، الكافي، ج 1 (تهران، دار الكتب الاسلامية، 1407 ق)، 43-
- 10- الحر العاملي، وسائل الشيعية، 44-
- 11- الكليني، الكافي، ج 1، باب البدع والرای والبقالیس، 57-
- 12- إبي عبد الله محمد بن إدريس، الشافعي، الرسالة، ج 1 (مصر، مكتبة الحلبي، 1940ء)، 476-
- 13- عدنان فرحان القاسم، تطوّر حركة الاجتهاد عند الشيعة الامامية (بيروت، دار السلام، 1433 هـ ق)، 208-
- 14- إبي عبد الله، محمد بن اسماعيل، البخاري، صحيح بخاري شريف، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب اجر الحاكم اذا اجتهد فاصاب او اخطا، ج 3 (لاهور، اسلامي كتب خانہ، سن نادر)، 748-
- 15- البخاري، صحيح بخاري شريف، 203، 205-
- 16- ايضاً
- 17- السيد مرتضى، علم الهدى، رسائل الشريف المرتضى، ج 4 (قم، دار القرآن الكريم، 1405 ق)، 50-
- 18- السيد محمد باقر، الصدر، دروس في علم الاصول، ج 1 (بيروت، مكتبة المدرسة، 1406 هـ، ق-1986 م)، 48-
- 19- شيخ ابو جعفر محمد بن حسن بن علي بن حسن، الطوسي، معروف به شيخ الطائفة، المبسوط في فقه الإمامية، ج 7 (تهران، المكتبة المرتضوية باحياء الآثار الجعفرية، 1387 هـ)، 277-
- 20- الصدر، دروس في علم الاصول، ج 1، 48-

- 21- ایضاً۔
- 22- ایضاً۔
- 23- المستضیٰ، ج 4، 483۔
- 24- ایضاً، ج 1، 49۔
- 25- السید مرتضیٰ، علم الہدی، الذریعۃ الی اصول الشریعۃ، ج 2 (تہران، انتشارات دانشگاه، 1376 ش)، 794۔
- 26- شیخ ابو جعفر محمد بن حسن بن علی بن حسن، الطوسی، معروف بہ شیخ الطائفۃ، العدة فی اصول الفقہ، تیز ہوش، سایہ طبع ہا، ج 2 (قم، بوستان کتاب، 1417 ق)، 733۔
- 27- العلاء، الحللی، ابی منصور الحسن بن یوسف بن المطہر الاسدی، مبادئ الوصول الی علم الاصول (بیروت، دار الأنواء، 1406ھ-1986م)، 248۔
- 28- تطور حركة الاجتهاد عند الشيعة عند الامامية ص 28
- 29- امیر المومنین، العلی ابن ابی طالب، نوح البلاغہ، مترجم: مفتی جعفر حسین، جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان، 2019ء، خطبہ نمبر 208۔
- 30- السبجانی، جعفر، تاریخ الفقہ الاسلامی وادوارہ، (قم، موسسۃ الامام الصادق، 1427 ق)، 182۔
- 31- الشیخ علی الاحمدی المیانجی، مکتب الارسول (ص)، ج 2 (قم، موسسہ علمی فرہنگی دار الحدیث، سازمان چاپ و نشر، 1998/1419)، 31۔
- 32- ایضاً۔
- 33- احمد بن علی، النجاشی، رجال النجاشی (قم، موسسۃ النشر الاسلامی التابعہ لجامعۃ المدر سین بقم، 1365 ش)، رقم 1، 4۔
- 34- ایضاً، 6، رقم 2۔
- 35- الطوسی، شیخ ابو جعفر محمد بن حسن بن علی بن حسن، معروف بہ شیخ الطائفۃ، القمہرست، فہرست کتُب الشیعۃ و اصولہم و آسماء المصنّفین و اصحاب الاصول (قم، موسسۃ نشر الفقاہ، 1417ھ)، 174۔
- 36- النجاشی، رجال، 7، رقم 3۔
- 37- ایضاً، 9، رقم 6۔
- 38- السبجانی، تاریخ الفقہ الاسلامی وادوارہ، 130۔
- 39- الکلبینی، الکافی، ج 1، 53۔
- 40- النجاشی، رجال، 40 (رقم 80) الحسن بن علی بن زیاد۔

- 41- السبجانی، تاریخ الفقہ الاسلامی وادوارہ، 137-
 42- ابن طاووس، رضی الدین حلی، مجمع الدعوات و منج العبادات، (قم، دار الذخائر، 1411ھ)، 220-
 43- شیخ بہاء الدین العالمی، البھائی، مشرق الشمسین اکسید السعادتین (مشہد، مجمع البحوث الاسلامیہ، 1993ء)، 63-
 44- لشیخ امین الاسلام ابی علی، الطبری بطلام الوری بطلام الہدی، ج 2 (قم، مؤسسہ آل البیت علیہم السلام لاحیاء التراث، 1417ق)، 200-
 45- السبجانی، تاریخ الفقہ الاسلامی وادوارہ، 139-
 46- محمد بن عمر، الکاشی، رجال الکاشی، اختیار معرفۃ الرجال، ج 2 (قم، مؤسسہ آل البیت علیہم السلام، ندارد)، 490-
 47- شیخ محمد حسین، النجفی، مسائل الشریعہ ترجمہ وسائل الشیعہ، ج 1 (سرگودھا، مکتبۃ التقلین، 1421ق/2001ء)، 255-
 48- ایضاً، ج 1، 242-
 49- العالمی، وسائل الشیعہ، ج 27، 80-
 50- الکلبینی، کافی، ج 1، 472-
 51- النجاشی، رجال، 306-
 52- العالمی، وسائل الشیعہ، ج 27، 62-
 53- ایضاً، ج 27، 117-
 54- ایضاً، 115-
 55- اسلامی رضا، مدخل علم فقہ (قم، مرکز مدیریت حوزہ علیہ، 1384ھ)، 276-
 56- ایضاً، 280-

Bibliography

- Abu Al-Qasim, Al-Mirza Qami. *Al-Qawanin al-Muhkamah fi Usul*, vol. 4. Qum: Ihya'ub al-Islamiyyah, 1430AH.
- Al-Alama al-Hilli, Abi Mansour Al-Hassan b. Yusuf b. al-Mutahhar al-Asadi. *Mabadi al-Wosul ila Ilm al-Usul*. Beirut: Dar Al-Adwa, 1406AH/1986.
- Al-Amili, al-Imam Abi Abdullah Muhammad b. Makki Al-Shahid Al-Awwal. *Al-Qawai'd wa al-Fawai'd*. Qum: Manshurāt Maktabah al-Mufid, nd.
- Al-Amili, al-Shaykh al-Saeed Jamal al-Din Najl al-Shahid al-Thāni Zain al-Din al-Shaykh Hasan. *Maā'lim al-Din wa Mulāz al-Mujtahidīn*.

- Qum: Maktabah Ayatullah al-Uzma al-Mara'shi al-Najafi, 1413AH.
- Al-Baha'i, Shaykh Bahāu'llah Al-Amili. *Mashriq Al-Shamsyn Aksīr Al-Saā'datayn*. Mashhad: Majma' al-Buhūth al-Islamiyyah, 1993.
- Al-Bahbahani, Al-Wahīd, Muhammad Baqir. *Al-Fawai'd Al-Hai'riyyh*. Qum: Majma' Al-Fikr Al-Islami, 1415AH.
- Al-Bukhari, Abu Abdullah Muhammad b. Ismael. *Sahih Bukhari Sharif*, vol. 3. Lahore: Islami Kitab Khana, nd.
- Al-Hur Al-Amili, Shaykh Muhammad b. Hasan. *Wasai'l al-Shiah*, vil. 27. Qum: Mua'ssasa Aāl al-Bayt, 1409AH.
- Ali b. Abi Talib, Amir al-Mu'minīn. *Nahj al-Balaghah*. Translated by Mufti Ja'far Husyn. Karachi: Jamia'h Talimāt-e Islami Pakistan, 2019.
- Al-Kashi, Muhammad b. Umar. *Rijal al-Kashi*, vol. 2. Qum: Mua'ssasa āl al-Bayt, nd.
- Al-Mianji, al-Shaykh Ali Al-Ahmadi. *Makātīb al-Rasūl*, vol. 2. Qum: Mua'ssasa Ilmi Farhanghi Dar Al-Hadith, 1419AH/1998.
- Al-Misri, Abi al-Fadl Jamal al-Din Muhammad b. Mukarram al-Afriqi Ibn Manzūr. *Lisān al-Arab*. Qum: Nashr Adab al-Hawza, 1405AH.
- Al-Najafi, Shaykh Muhammad Husyn. *Masai'l al-Sharia'h Tarjama Wasai'l al-Shiah*, vol. 1. Sargodha: Maktaba al-Thaqalayin, 1421AH/2001.
- Al-Najashi, Ahmad b. Ali. *Rijāl Al-Najashi*. Qum: Mua'ssasa al-Nashr al-Islami al-Tabia' li Jamia'h al-Mudarrisīn, 1365AD.
- Al-Qasim, Adnan Farhan. *Tatawwar Harakah al-Ijtihad enda al-Shiah al-Imamiyah*. Beirut: Dar al-Salām, 1433AH.
- Al-Sadr, Al-Sayyid Muhammad Baqir. *Durūsun fi Ilm al-Usūl*, vol. 1. Beirut: Maktab Al-Madrasah, 1406AH/1986.
- _____. *Al-Maā'lim al-Jadidah li-Usūl*. Tehran: Maktabah Al-Najah, 1395AD.
- Al-Shafi'i, Abu Abdullah Muhammad b. Idrīs. *Al-Risalah*, vol. 1. Egypt: Maktab al-Halabi, 1940.
- Al-Subhani, Ja'far. *Tarikh al-Fuiqh al-Islami wa Adwarihī*. Qum: Mua'ssasa Imam Sadiq, 1427AH.

- Al-Tabrisi, Shaykh Amin al-Islam Abi Ali. *Ie'lām al-Warā bi Ie'lām al-Huda*, vol. 2. Qum: Mua'ssasa āl al-Bayt, 1417AH.
- Al-Tusi, Shaykh Abu Ja'far Muhammad b. Hasan b. Ali b. Hasan. *Al-Iddah fi Usūl al-Fiqh*, vol. 2. Qum: Bostan Kitab, 1417AH.
- _____. *Al-Mabsūt fi Fiqh al-Imamiyyah*, vol. 7. Tehran: aAl-Maktaba al-Murtadhawiyyah li Ahya al-Athār al-Ja'fariyyah, 1387AD.
- _____. *Al-Fahrist*. Qum: Mua'ssasa Nashr al-Fuqaha, 1417AH.
- Alum al-Huda, Al-Sayyid Murtadha. *Rasa'il al-Sharif al-Murtadha*, vol. 4. Qum: dar al-Quran al-Karīm, 1405AH.
- _____. *Al-Daria'h ila Usūl al-Shariah*, vol. 2. Tehran: Intisharāt Danishgah, 1376AD.
- Ibn Tawus, Razi al-Din Hilli. *Mahj al-Dawāt wa Manhaj al-Ibadāt*. Qum: Dar al-Zakhai'r, 1411AH.
- Kulayni, Muhammad b. *Yaqub*. *Al-Kafi*, vol. 1. Tehran: Dar al-Kutub al-Islamiyyah, 1407AH.
- Nishapuri, Abu Al-Husyn Muslim b. Hajjaj –Qushayri. *Sahih Muslim Sharif*. Karachi: no Publisher, 2005.
- Reza, Islami. *Madkhal Ilm-e Fiqh*. Qum: Markaz-e Mudiriyyat-e Hawza Ilmiyyah, 1384AD.